© rasailojaraid.com

اِسلام کا شُورائی نظام

مولانا وصی مظہر ندوی

[علمی حلقوں میں اس مسئلہ پر وقتاً فوقتاً بحث کی جاتی رہی ہے کہ کیا اسلامی مملکت کا سربراہ ارکانِ شُوریٰ کی اکثریت کے فیصلے کو ازروئے شریعت مسترد کرنے کا مجاز ہے یا نہیں۔ اِس ضمن میں حال ہی میں ایک مضمون دمشق کے مشہور مجلّہ "حضارۃ الاسلام" میں ڈاکٹر حسن ہویدی کے قلم سے شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے قریب قریب وہ سارے دلائل جمع کر دیئے ہیں جو امیر کو ارکانِ شُوریٰ کے فیصلے کو مسترد کرنے کا اختیار حاصل ہونے کے حق میں دیئے جاتے ہیں۔ اس مضمون کی اشاعت کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ایک مرتبہ یہ سارے دلائل یکجا سامنے آ جائیں تو پھر انہیں نگاہ میں رکھتے ہوئے دوسرا نقطۂ نظر پیش کیا جائے۔ مگر اس مضمون کے شائع ہوتے ہی اس کے بارے میں متعدد خطوط موصول ہونے لگے جن میں بعض کا لہجہ خاصا تند و تیز تھا، چنانچہ اس مضمون کی اشاعت روک دی گئی۔ جماعتِ اسلامی کے ایک معروف عالمِ دین مولانا وصی مظہر ندوی نے اس مضمون پر بڑے علمی انداز میں تنقید فرمائی ہے جسے ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اِس ضمن میں مَیں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حسن ہویدی صاحب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ میرے خیالات نہیں بلکہ یہ ہویدی صاحب کے خیالات ہیں۔ خاکسار نے ان کا ترجمہ جو ترجمان القرآن میں پیش کیا ہے اس کا مقصد ایک مسئلہ کی تنقیح تھا۔ کیونکہ بسا اوقات کسی مسئلہ کی وضاحت کے لیے یہ بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس کے مخالف اور موافق دونوں نقطہ ہائے نظر پیش کر دیئے جائیں۔ ع۔ح س]

مذکورۂ بالا عنوان کے تحت ترجمان القرآن بابت ماہ نومبر ۱۹۷۱ء میں ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ مضمون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر حسن ہویدی صاحب کا نتیجۂ فکر ہے اور ترجمہ جناب عبدالحمید صدیقی صاحب نے کیا ہے۔

اس مضمون میں جن افکار و خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ اسلام کے شورائی نظام کی انتہائی غلط تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ افکار و نظریات دراصل سطحی مطالعہ اور قلتِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ ترجمان القرآن جیسے علمی رسالہ میں ان کی اشاعت چند در چند غلط فہمیوں کا موجب بن سکتی ہے۔ اس لیے ان سطور میں اسلام کے شورائی نظام کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا مضمون میں اخذ کردہ غلط نتائج پر گرفت بھی کی گئی ہے۔

اسلام نے جس نظامِ زندگی کی خیر و برکت سے انسانیت کو مالا مال کیا ہے اس کی اساس شورائیت پر قائم ہے۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ میں اس نظامِ زندگی کے خصائص بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ[1] شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (شوریٰ - ۳۸)

اور جن لوگوں نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہی اور جن لوگوں نے نماز کو قائم کیا اور جن کا نظامِ حکومت باہم مشورے سے چلتا ہے اور جو ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کے نظامِ زندگی میں شورائیت کو مستقل اور غیر منفک وصف ہونے کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں شورائیت کی روح کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ اور ان تمام باتوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے جن سے شورائیت کو فروغ مل سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی جلی اور وحی خفی کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کے باوجود آنحضرت کو حکم دیا گیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ (آل عمران: ۱۵۸)

اور (اے نبیؐ) حکومت کے کام میں ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب تم کوئی فیصلہ کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے (اس فیصلہ پر عمل کرو)۔

---

[1] "امر" کا لفظ قرآن مجید میں متعدد معانی میں مستعمل ہے۔ ان میں سے ایک معنی نظامِ حکومت کے بھی ہیں۔ معنی کا تعیّن قرینہ سے کیا جا سکتا ہے۔ بعض مثالیں ملاحظہ ہوں: وشاورھم فی الامر - واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم - والامر الیک۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کا حکم اس پس منظر میں دیا گیا کہ آنحضرتؐ بعض صحابہ کے طرزِ عمل سے خوش نہ تھے۔ اور اُن سے مشورہ لینے میں بظاہر انقباض محسوس کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی رحمت اور نرم خوئی کو اُن صحابہؓ کے لیے شفیع بنایا۔ اور اُن کو معاف کر دینے کی ہدایت اس بلیغ انداز میں کی کہ اے نبی نہ صرف تم انہیں معاف کر دو بلکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کے لیے دعا بھی کیا کرو۔ لیکن ساری ناراضگی کے باوجود ان سے مشورہ ضرور لو۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر مسائل میں صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور اکثریت کے احترام کی عملی نظیریں بھی قائم کرتے تھے ــــ لیکن اس آیت کے سلسلہ میں بعض حضرات نے اس عجیب خیال کا اظہار کیا ہے کہ آنحضرتؐ کو مشورہ لینے کا حکم محض صحابہ کرام کی دلجوئی کے لیے تھا، ورنہ آپ کے لیے اُن کے مشوروں پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ آپ کو یہ حکم محض اُمت کی تعلیم کی خاطر دیا گیا، لیکن یہ دونوں خیال قطعاً غلط ہیں۔

قاضی ابوبکر الجصاصؒ نے ان دونوں خیالات پر سختی سے گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے:

وغیر جائز ان یکون الامر بالمشاورۃ علی جهة تطييب نفوسهم ورفع اقدارهم وليقتدى الامة به في مثله لانه لو كان معلوما عندهم انهم استفرغوا المجهود في استنباط ما شوورا فيه وصواب الرأى فيما سئلوا عنه ثم لم يكن ذالك معمولا عليه ولا متلقى منه بالقبول بوجه لم يكن في ذالك تطييب نفوسهم ولا رفع لاقدارهم بل فيه ايحاشهم واعلامهم بان آراءهم غير مقبولة ولا معمولا عليها فهذا تاويل ساقط لا معنى له فكيف يسوغ تاويل من تاوله "ليقتدى به الامة"

اور یہ بات درست نہیں ہو سکتی کہ مشورہ کا حکم محض، ان کے دل خوش کرنے یا اُن کا مرتبہ بلند کرنے کے لیے دیا گیا ہو۔ یا اس لیے ہو کہ اُمت اس جیسے معاملات میں اس عمل کی تقلید کرے۔ اس لیے کہ اگر اُن کو یہ بات معلوم ہو کہ مشورہ طلب مسئلہ کے حل کرنے اور صحیح رائے معلوم کرنے میں خواہ وہ اپنی پوری کوشش صرف کر دیں پھر بھی اس پر نہ عمل ہوگا اور نہ اُسے کسی طرح سے قبولیت کا شرف حاصل ہوگا، تو اس صورت میں اُن کا دل خوش تو کیا ہوگا اور ان کے مرتبہ کی بلندی تو کیا ظاہر ہوگی البتہ اس سے وہ اور زیادہ بددل ہوں گے اور اس طرح اُن کو گویا یہ تبلا دیا جائے گا کہ ان کی آراء نہ قبول کی جائیں گی اور نہ اُن پر عمل کیا جائیگا۔ اس لیے قرآن کی آیت کی یہ توجیہ بالکل ناقابلِ التفات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مع علم الامة عند هٰذا القائل بان هٰذه المشورة لم تفد شيئاً ولم يعمل بشيء اشار وا به۔

(احکام القرآن تفسیر آیت وشاورهم فی الامر)

ہے۔ اور نہ اس کا کوئی مفہوم ہے۔ اور اسی طرح اُمت کی تقلید" کو مقصود بتانے والوں کی رائے بھی کیسے درست ہو سکتی ہے، کیونکہ اُن حضرات کے قول کے مطابق اُمت جانتی ہو گی کہ اس مشورہ کا کوئی فائدہ تو تھا ہی نہیں۔ اور نہ صحابہ نے کسی مشورہ پر عمل کیا گیا۔

اس سلسلہ میں ایک عجیب تر بات یہ کہی جاتی ہے کہ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ مشورہ کرنے کے بعد جب تم اہلِ شوریٰ کے مشورہ کے خلاف کوئی فیصلہ کر لو تو اہلِ شوریٰ کی پروانہ کرو اور خدا کے بھروسہ پر اپنے فیصلہ پر عمل کر ڈالو۔

حالانکہ اس آیت کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ مشورہ کے نتیجہ میں جو فیصلہ ہو جائے اُسے اللہ کی تائید حاصل ہو گی اور اللہ کے بھروسہ پر اُس پر عمل درآمد کر ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ اس آیت کی یہی تفسیر مفسّرین نے کی ہے۔ اور بعض اصحاب سے یہی تفسیر مرفوعاً منقول ہے۔

مشہور مُفسّر ابن کثیر لکھتے ہیں:

ای اذا شاورتهم فی الامر وعزمت عليه فتوكل على الله فيه۔

یعنی جب تم (اے نبیؐ) اُن سے حکومت کے بارے میں مشورہ کر لو اور کوئی فیصلہ کر کے اس کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

ابنِ کثیرؒ نے اسی سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے:

عن علی ابن ابی طالب قال سئل رسول الله صلی الله عليه وسلم عن العزم قال مشاورة اهل الرأی ثم اتباعهم

حضرت علیؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبیؐ سے "عزم" کے معنی دریافت کیے گئے تو آپ نے فرمایا "اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس کا اتباع کرنا۔"

پھر اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بالکل واضح ہے۔ آپ نے جس مسئلہ میں بھی صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا اس میں ہمیشہ اکثریت کے فیصلہ پر عمل کیا ہے۔ خواہ وہ فیصلہ آپ کو پسند ہو یا نہ ہو بلکہ آنحضرتؐ نے اس سے بڑھ کر اپنے اس طے شدہ فیصلہ کا اعلان فرمایا ہے کہ "شیخینؓ" بھی اگر کسی مسئلہ میں ایک متفقہ رائے دیں گے تو اُن کی رائے کے خلاف حضورؐ کوئی کام نہ کریں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن عبد الرحمٰن ابن غنم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر وعمر لو اجتمعتما فی مشورۃ ما خالفتکما ۔ (احمد بحوالہ ابن کثیر)

عبدالرحمٰن ابن غنم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ "اگر تم کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہارے مشورہ کے خلاف عمل نہ کروں گا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ طلب امور میں ہمیشہ اکثریت کی رائے کی کس طرح پیروی کی ہے، اس کی صرف چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ غزوۂ اُحد کے موقعہ پر حضورؐ نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا کہ دشمن کا مقابلہ کس طرح کیا جائے، مدینہ میں رہ کر ہی جنگ لڑی جائے یا باہر نکل کر؟ اس مشورہ کی تفصیل ابنِ ہشام نے یوں نقل کی ہے۔

فان رأیتم ان تقیموا بالمدینۃ وتدعوھم حیث نزلوا فان اقاموا اقاموا بشر مقام وان ھم دخلوا علینا قاتلناھم فیھا ۔

تو اگر تمہاری رائے ہو تو ایسا کرلو کہ مدینہ میں قیام کرو اور ان (کفار) کو جہاں وہ اُترے ہیں وہیں چھوڑ دو۔ پھر اگر وہ وہاں قیام کریں گے تو نہایت بُری جگہ قیام ہوگا۔ اور اگر وہ ہمارے پاس آگئے تو ہم مدینہ ہی میں اُن کا مقابلہ کریں گے۔

لیکن بدر کی لڑائی میں شرکت سے محروم رہ جانے والے نوجوانوں کی اکثریت باہر نکل کر مقابلہ کرنے پر اصرار کرتی رہی۔ یہاں تک کہ حضورؐ گھر میں داخل ہوئے اور اسلحہ سے لیس ہو کر باہر تشریف لائے۔

ابن ہشام نے آگے مزید تفصیل سے یہ بات واضح کی کہ حضورؐ کو اکثریت کا یہ فیصلہ پسند نہ تھا لیکن پھر بھی آپ نے اس پر عمل کرنا ضروری سمجھا۔

وقد ندم الناس وقالوا استکرھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن لنا ذالک فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا یا رسول اللہ استکرھناک ولم یکن ذالک لنا فان شئت فاقعد فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما ینبغی لنبی اذا لبس

لوگ شرمندہ ہو چکے تھے اور انہوں نے آپس میں، کہا کہ ہم نے رسولؐ کو مجبور کیا حالانکہ ہمارا حق نہ تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو انہوں نے کہا "یا رسول اللہ ہم نے آپ کو مجبور کیا حالانکہ اس بات کا ہم کو حق نہ تھا۔ اس لیے اگر آپ کی مرضی ہو تو مدینہ میں ہی ٹھہر جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لامۃ ان یضعہا حتیٰ یقاتل۔

دیا۔کسی نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ہتھیار اٹھا لینے کے بعد جنگ کرنے سے پہلے ہتھیار واپس رکھ دے۔

یہ ہے فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ کی عملی تفسیر۔یعنی مشورہ کے بعد جو طے ہو گیا اس پر عمل ہونا چاہیے۔گھڑی گھڑی فیصلہ تبدیل کرنا اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔

بعض حضرات نے غزوۂ اُحد کے اس واقعہ کی یہ توجیہ کی ہے کہ حضورؐ نے اپنی رائے تبدیل کر کے اکثریت کی رائے سے اتفاق کر لیا تھا، اس لیے یہ اکثریت کا فیصلہ نہیں بلکہ خود حضورؐ کا اپنا فیصلہ تھا حالانکہ ابن ہشامؒ اور دوسرے مؤرخین نے جس طرح اس واقعہ کو نقل کیا ہے اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اکثریت کی رائے کا لحاظ کرتے ہوئے آپؐ نے یہ فیصلہ قبول کیا تھا۔حالانکہ آپ خود دل سے اس پر راضی نہ تھے۔اس لیے جب لوگوں کو حضورؐ کی ناراضگی کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے اصرار پر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے اپنی رائے واپس لینے کا خیال ظاہر کیا تو حضورؐ نے جواباً یہ نہیں فرمایا کہ میں اس فیصلہ سے ناراض نہیں ہوں اور یہ کہ میں نے خود اپنی رائے بدل ڈالی ہے بلکہ آپ نے صرف بار بار فیصلہ بدلنے سے معذوری ظاہر کی۔

اسی طرح غزوۂ احزاب (خندق) کے موقع پر آپؐ نے بعض حملہ آور قبائل سے عارضی مصالحت کا ارادہ کیا تاکہ اس طرح کفار کا زور توڑا جا سکے۔ابتدائی گفتگو بھی ہو گئی۔اور آنحضرتؐ نے مدینہ کی پیداوار کا ایک حصہ دینا بھی قبول فرما لیا۔لیکن آخری فیصلہ سے قبل آپ نے انصار کے اہل الرائے سے مشورہ کرنا ضروری خیال کیا۔ابن ہشام نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح نقل کی ہے۔

فلما اراد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یفعل بعث الی سعد ابن معاذ وسعد بن عبادۃ فذکر ذالک لھما فقالا لہ یا رسول اللّٰہ امرًا تحبہ فنصنعہ ام شیئا امرک اللّٰہ بہ لابدلنا من العمل بہ ام تصنعہ لنا قال بل شیئًا اصنعہ لکم، فقال سعد بن معاذ واللّٰہ مالنا بھذا من حاجۃ۔فقال

چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی تکمیل کا ارادہ فرما لیا۔تو اوس کے سردار سعد بن معاذ اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو آپ نے طلب فرمایا اور ان سے معاملہ کا ذکر کیا۔تو ان دونوں اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ نے یہ تجویز خود پسند فرمائی ہے کہ ہم اس پر عمل کریں یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی لازمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانت و ذاك۔

تعمیل کریں۔ یا آپ نے محض ہمارے فائدہ کے لیے یہ قدم اٹھانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے یہ کام تمہارے فائدہ ہی کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے

تو سعد بن معاذ نے کہا، خدا کی قسم" ہم کو اس کی ضرورت نہیں :. ۔ یہ پُر عزم جواب سُن کر رسولؐ نے فرمایا اچھا! تو جو تمہاری مرضی۔

شورائیت کو فروغ دینے کے لیے اسلام نے تحریر و تقریر کی مکمل آزادی عطا کی ہے۔ بلکہ غلط باتوں پر ٹوکنا اور اُن سے روکنا ہر مومن پر واجب قرار دیا ہے۔ اور ظالم اور جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کو افضل ترین جہاد قرار دیا ہے۔ تنقید اور محاسبہ کے اس حق کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی اور سخت سے سخت الفاظ میں گرفت کرنے والوں کو نرمی اور حلم کے ساتھ جوابات دیکر مطمئن کیا۔ جنگ ہوازن کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں بعض پُرجوش انصار نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنوں کا خیال کیا ہے اور ہم کو محروم رکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس الزام کی حقیقت انصار کے جلسۂ عام میں واضح کی۔ اور مالِ غنیمت کی تقسیم کی حکمت بیان کر کے تمام انصار کو مطمئن فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے والے ایک شاعر کے بارے میں کسی نے مشورہ دیا کہ اس کی زبان کاٹ لی جائے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو رد کیا۔ کسی شخص نے حضرت عمرؓ کو نہایت سختی سے کہا " اِتَّقِ اللّٰہ یا عمر!" اے عمرؓ اللہ سے ڈر! حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس شخص کو ایسے سخت الفاظ کہنے سے منع کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا " اسے کہنے دو اگر یہ لوگ ہم کو نہ ٹوکیں تو اُن میں کوئی بھلائی نہیں۔ اور اگر ہم ان کی بات نہ سنیں تو ہمارے اندر کوئی خوبی نہیں۔

بعض حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو جو آپ نے حدیبیہ میں اختیار فرمایا تھا، امیر کے حقِ استبداد کے سلسلہ میں قاطع دلیل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس واقعہ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں سربراہِ مملکت اور درج کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے تشریف رکھتے تھے۔ جنگی حالات میں بالعموم اور بالخصوص میدانِ جنگ میں سربراہ مملکت کو صلح و جنگ کے وسیع اختیارات ہوتے ہیں۔ اور عین میدانِ جنگ میں شوریٰ کی پابندی کرنا ضروری نہیں ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ اقدامات کی حکمت کو اگر قبل از وقت واضح کر دیا جائے تو ان اقدامات کی افادیت ختم ہو جاتی ہے صلح حدیبیہ کی صورت حال یہی تھی۔ مدینہ منورہ خیبر کے یہود اور مکہ کے قریش دونوں کی زد میں تھا۔ خیبر اور مکہ دونوں سے مدینہ منورہ تقریباً تین سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اگر ایک دشمن کے خلاف مسلمان لشکر کشی کرتے تو اندیشہ تھا کہ دوسرا دشمن پیچھے سے آکر اسلامی سلطنت کے پایہ تخت کو روند ڈالے اس لیے ناگزیر تھا کہ دونوں دشمنوں میں سے ایک دشمن سے وقتی طور پر کسی نہ کسی قسم کا معاہدہ ہو جاتے۔ یہود سے یہ معاہدہ کسی طرح ممکن نہ تھا اس لیے آپ اشہر حُرم میں عمرہ کی نیت سے بغیر ہتھیار مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے۔ خیال یہ تھا کہ کفار اپنی جھوٹی عزت کی خاطر عمرے سے روکیں گے اور آئندہ اپنی مرضی سے آنے دینے کا بہانہ بنائیں گے۔ اس طرح ان سے معاہدہ ہو جائے گا اور ایک طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد یہود کو ختم کرنا آسان ہو جائے گا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا ہی میں اعلان فرما دیا کہ حرم کی عزت کو برقرار رکھنے کیلیے کفار جن شرائط پر بھی معاہدہ کرنا چاہیں گے میں ان شرائط کو تسلیم کر لوں گا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے معاہدہ میں کفار کی ہر شرط کو منظور کر کے دس سال تک جنگ بندی کا اطمینان حاصل کر لیا اور جوں ہی یہ معاہدہ مکمل ہوا آپ نے فوراً خیبر کا رخ کیا کہ کہیں دشمنوں کو اپنی سیاسی غلطی کا احساس نہ ہو جائے اور وہ اس معاہدے کو منسوخ نہ کر دیں۔

اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند آدمیوں کو اس حکمت سے پہلے ہی باخبر کر دیتے تو اول تو یہ پورے لشکر کی بے اطمینانی کا علاج نہ تھا اور دوسرے اس حکمت کے افشاء ہونے کا بھی خطرہ تھا اس صورت میں ممکن ہے دشمن عمرے کی اجازت دے دیتا اور جنگ بندی نہ قبول کرتا۔

ظاہر ہے کہ ایسے جنگی حالات میں سربراہ اپنی صوابدید سے جوابدہی کا خطرہ مول لے کر اقدامات کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ کی صلح کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے قطعاً مشورہ نہ لیا، اس لیے یہ بات کہنا سرے سے غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شوریٰ یا عام مسلمانوں کی اکثریت کی رائے کے خلاف کیا۔ عین ممکن ہے کہ اس نازک مرحلے پر آنحضورؐ کی رہنمائی بذریعہ وحی بھی فرمائی گئی ہو۔ آپ کے ان خالص تنفیذی اور انتظامی اقدامات پر بعض حضرات نے اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو آپ نے ان کو مبہم سا جواب دے کر اپنے اختیارات کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ مضطرب تھے اور انہی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی ہمت بھی کر ڈالی۔ چنانچہ ابنِ ہشام نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

فعلام نعطی الدنیۃ فی دیننا قال انا عبد اللہ و رسولہ لن اخالف امرہ و لن یضیعنی . . . فکان عمر یقول ما زلت اتصدق و اصوم و اصلی و اعتق من الذی صنعت یومئذٍ۔ (ابنِ ہشام)

تو ہم اپنے دین میں دب کر بات کیوں قبول کریں۔ آپؐ نے جواب دیا: مَیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مَیں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا، اور وہ مجھے کبھی برباد نہ ہونے دیگا۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ مَیں نے حضورؐ سے اُس دن جس طرح گفتگو کی اس کی وجہ سے مَیں صدقات، روزوں، نمازوں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے ذریعے مستقل کفارہ ادا کرتا رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجمالی جواب میں یہ بات واضح کر دی کہ مَیں اللہ کا بندہ ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کروں گا اور سربراہ مملکت کی اطاعت سے نکلنے کی اجازت اسی وقت ہوتی ہے جب وہ معصیت کا حکم کرے اور آپ نے مزید فرمایا کہ مَیں اللہ کا رسول ہوں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ذمہ داری میں میری رہنمائی کرے گا اور مجھے کوئی ایسا قدم نہ اٹھانے دے گا جس میں میری بربادی ہو۔

جس وقت معاہدۂ صلح لکھا جا رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ کی حیثیت سے معاہدہ املا کرا رہے تھے اس وقت کفار کے نمائندے نے بعض لفظی بحثیں چھیڑ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہر کٹ حجتی سے درگذر کر کے تکمیلِ معاہدہ کی جانب متوجہ رہے۔ اس حالت میں بعض حاضرین نے کفار کے نمائندے کے مطالبے پر بعض الفاظ میں ردّ و بدل پر اپنے عدمِ اطمینان کا اظہار کیا۔ افسوس ہے کہ اس واقعہ کو بھی بعض لوگوں نے حقِ استرداد ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دورِ حاضر کی نام نہاد "عوامی جمہوریت" کے قائل نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ معاہدہ کا متن کوئی ذمہ دار فرد تحریر کرتا ہے۔ جلسۂ عام اس قسم کا متن تیار کرنے کا مجاز کب ہوتا ہے کہ حضورؐ ان اصحاب کی رائے کے پابند ہوتے جو معاہدہ کا متن تیار کرنے کے سلسلہ میں مشورے دے رہے تھے۔

اسی طرح مانعینِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کے اقدام کو بھی بعض لوگ امیر کا حقِ استرداد

© rasailojaraid.com

ثابت کرنے کے لیے آخری دلیل تصور کرتے ہیں حالانکہ اس سے زیادہ کمزور اور بودا استدلال ممکن ہی نہیں ہے۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سربراہِ مملکت کی حیثیت سے مملکت کے اختیارِ حکمرانی اور نظامِ دین کے تحفظ کے ذمّہ دار تھے۔ یہ بات سرے سے مشورہ طلب نہیں تھی اور نہ کبھی مشورہ طلب ہو سکتی ہے کہ ایک سربراہ اہلِ شوریٰ سے اس باب میں مشورہ کرے کہ اسے قانون کا تحفظ کرنا چاہیے یا نہیں یا اگر کوئی طاقت مملکت کی حاکمیت SOVEREIGNTY کو چیلنج کرے تو اس کا مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف اقدام کرنے کے بارے میں شوریٰ کو بلا کر اس سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس ہی نہ کی بلکہ مانعینِ زکوٰۃ نے خود اپنے وفود بھیج کر بعض صحابہؓ کو حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو پر آمادہ کیا چنانچہ حضرت عمرؓ اور چند بدری صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس خود چل کر گئے اور ان سے گفتگو کی۔ حضرت حسن بصری کے حوالے سے قاضی ابوبکر الجصاص نے یہ گفتگو اس طرح نقل کی ہے:

قالوا دعھم فانھم اذا استقر الاسلام فی قلوبھم وثبت، ادّوا فقال واللہ لو منعونی عقالاً[1] مما اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم لقاتلتہم علیہ وقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم علی ثلاث شھادۃ لا الٰہ الا اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وقال اللہ تعالیٰ "فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم" واللہ لااسئل فوقھن ولا اقصر دونھم۔ فقالوا لہ یا ابابکر نحن نزکی ولا ندفعھا الیک فقال لا واللہ حتی آخذھا کما اخذھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

انہوں نے کہا ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے جب ان کے دلوں میں اسلام پختہ ہو جائے گا تو یہ خود زکوٰۃ ادا کریں گے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا خدا کی قسم اگر انہوں نے اس زکوٰۃ کی ایک قسط بھی روکی جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو ادا کرتے تھے تو میں ان سے لڑوں گا اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے تین چیزوں کے لیے جنگ کی ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت، نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ (منکر) توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم میں نہ اس سے کچھ زیادہ کا مطالبہ کرتا ہوں اور نہ اس سے کچھ کم پر راضی ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ ابوبکرؓ! ہم زکوٰۃ تو نکالیں گے

[1] عقال اونٹ باندھنے کی رسی کے معنی میں لیا گیا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ عقال الزکوٰۃ کہتے ہیں ایک بار جتنے جانور دیئے جائیں ان کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(احکام القرآن)

لیکن تم کو نہ دیں گے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا نہیں ! خدا کی قسم میں راضی نہ ہونگا، جبتک میں اسی طرح زکوٰۃ وصول نہ کر لوں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصول فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی یہ گفتگو صحیحین اور نسائی وغیرہ کتب احادیث میں نقل ہوئی ہے اس کی تفصیل جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے تھا کہ

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فمن قال لا الٰہ الا اللہ فقد عصم منی نفسہ ومالہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ ۔

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے (عرب کے لوگوں سے جن پر اتمامِ حجت ہو چکا تھا) جنگ کرونگا یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں تو جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا۔ سوائے اس کے کہ لا الٰہ الا اللہ اس کا تقاضا کرے اور اس کے (باطن کا) حساب اللہ پر ہے ۔

لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جب وہ حدیث بیان کی جس کا پہلے ذکر آچکا ہے اور قرآن کی مذکورہ آیت سے استدلال کیا تو حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ علامہ عینیؒ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ غالباً حضرت عمرؓ کو وہ حدیث اس سے قبل نہ پہنچی تھی جس میں زکوٰۃ ادا کرنے کو بھی تحفظِ جان و مال کا حق حاصل کرنے کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ نے بھی حضرت عمرؓ ہی کی حدیث میں "الا بحقہ" سے استدلال کر کے ان کو بتایا کہ اس حدیث میں جو اجمال ہے اس کی تشریح دوسری حدیث کرتی ہے کہ حق سے مراد نماز اور زکوٰۃ ہے حضرت ابوبکرؓ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

الیس قد قال اللہ بحقہ ومن حقہ الصلاۃ والزکوٰۃ ۔

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الا بحقہ نہیں کہا ہے نماز اور زکوٰۃ اس کے حق میں داخل ہیں

اس مسئلہ میں حضرت ابوبکرؓ کے جذبات نہایت شدید تھے۔ امام نسائیؒ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی گفتگو اس طرح نقل کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال عمر یا خلیفة رسول الله تألف الناس وارفق بہم فقال رجوت نصرتك وجئتنی بخذلانك اجبار فی الجاهلیة وخوار فی الاسلام !! انه قد انقطع الوحی وتم الدین أو ینقص وانا حیٌّ !!!

حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تالیفِ قلب کیجیے اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجیے تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا مجھے تم سے مدد کی توقع تھی اور تم میرا ساتھ چھوڑنے کی اطلاع لے کر آئے ہو۔ جاہلیت میں تو بڑے بہادر تھے۔ اسلام میں آکر بزدل بن گئے ہو۔ دیکھو وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے۔ تو کیا میرے جیتے جی اس میں کمی کی جا سکتی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے ان ایمان افروز جذبات اور اس مضبوط استدلال کو سن کر حضرت عمرؓ نے اپنی رائے تبدیل کر دی۔ چنانچہ بخاری اور دیگر کتبِ صحاح میں ہے۔

قال عمر فوالله ما ھو الا ان رأیت ان قد شرح الله صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو جنگ کرنے کے لیے یکسو کر دیا ہے تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی فیصلہ حق ہے۔

اس بارے میں قاضی ابوبکر الجصاص نے نہایت فیصلہ کن تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ھذا الذی فعله ابوبکرؓ فی مانعی الزکوٰة بموافقة الصحابة ایاہ من غیر خلاف منہم بعد ما تبینوا صحة رأیه۔

حضرت ابوبکرؓ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جو قدم اٹھایا وہ صحابہ کی مکمل تائید اور ان کی ادنیٰ مخالفت کے بغیر اٹھایا کیونکہ انہوں نے آپ کی رائے کی صحت کو تسلیم کر کے آپ کی مکمل تائید کی تھی۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امیر اور خلیفہ اہلِ شوریٰ کی رائے کا پابند ہے۔ اسے اپنے تمام فیصلے شوریٰ کے مشورے سے کرنے چاہییں البتہ انتظامی امور اور تنفیذِ قانون کے سلسلہ میں امیر جو اقدام کرے اس کے لیے پیشگی مشورہ لینا ضروری نہیں۔ وہ بامید منظوری ایسے اقدام کر سکتا ہے لیکن وہ اپنے تمام اقدامات کے لیے اہلِ شوریٰ بلکہ عامۃ المسلمین تک کے سامنے جوابدہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

جماعت اسلامی اور جمہوریت ——— تسخیر کا مفہوم

سوال - ذہن میں دو سوالات ہیں جن کے صحیح اور تسلی بخش جوابات کے لیے آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ جلد جوابات سے ممنون فرمائیں گے

۱ - جماعت اسلامی اس ملک میں عرصہ سے جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ جمہوریت کو اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے لیے ایک ذریعہ سمجھتی ہے مگر موجودہ انتخابات میں جبکہ ملک کے جمہور نے خلاف اسلام قوتوں کے حق میں اپنی رائے استعمال کی ہے تو کیا اس کے بعد بھی جمہور کو اسلامیت کا شعور بخشے بغیر یا جمہور کا اسلامیت کے شعور سے بہرہ مند ہوئے بغیر ان کی موجودہ ذہنی و اخلاقی سطح کے ساتھ جمہوریت اسلامی نظام کے قیام کے لیے ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو کیسے؟ اگر نہیں تو جماعت اسلامی کا اب جمہوریت کے بارے میں کیا رویہ ہے؟

۲ - اسلام اور موجودہ سائنسی نقطۂ نظر سے "تسخیر" کا مفہوم کیا ہے اور دورِ جدید کے سائنسی کمالات و اکتشافات پر تسخیر کا اطلاق کیا صحیح ہے؟ بالخصوص چاند پر انسان کی رسائی کے لیے تسخیر چاند کی اصطلاح استعمال کرنا کہاں تک درست ہے؟

جواب - مجھے افسوس ہے کہ آپ کے سوالات کے جوابات دینے میں کافی تاخیر ہو گئی ہے۔ گزشتہ انتخابات میں جماعت اسلامی کے ناکام ہونے کے باوجود جمہوریت کے بارے میں اس کے موقف میں بحمداللہ کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہ اب بھی اپنے اس موقف پر علیٰ حالہٖ قائم ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی نظام کے قیام کے لیے جمہوری راستوں کو چھوڑ کر آمریت کی راہ اختیار نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ راہ اگرچہ بظاہر بڑی آسان اور مختصر معلوم ہوتی ہے مگر خطرات سے پُر ہے اور بعض اوقات انقلاب کا یہ راستہ کسی قوم کو بہت بڑی تباہی سے دوچار کر دیتا ہے۔ آپ نے اپنے خط میں استدلال کی جو عمارت کھڑی کی ہے اس سے یہ معلوم

© rasailojaraid.com